4

خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں اور التجائیں کی جائیں کہ ہماری کاغذی ناؤ کو پار لگا دے

(فرمودہ 15 فروری 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"حضرت علیؓ کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ 1 مَیں نے اپنے رب کو بڑے بڑے پختہ ارادوں کی ناکامیوں اور ان کی شکستوں کی وجہ سے پہچانا ہے۔ یہ ہے تو ایک چھوٹا سا فقرہ لیکن در حقیقت اس میں انسانی زندگی کی تاریخ کا نچوڑ بیان کر دیا گیا ہے۔ انسان اپنے ارادوں کی پختگی پر ایسا اعتبار کرتا ہے کہ بسا اوقات وہ خدا تعالیٰ کو بالکل ہی بھول جاتا ہے۔ غیر مومن اور ایک دہریہ کی بات تو الگ رہی، ایک رسمی مومن کی بات تو الگ رہی، ایک کمزور مومن کی بات تو الگ رہی، مَیں نے اپنی ساری زندگی میں جو کہ مذہبی ماحول میں گزری ہے اور ان تمام تعلیمات کے باوجود جو قرآن کریم کے متعلق ہمارے پیشرو دیتے رہے ہیں یا مَیں دیتا رہا ہوں بالعموم احمدیوں کے منہ سے بھی یہ بات سُنی ہے کہ یہ بات تو ضرور ہو کر رہے گی۔ ہم نے یہ بھی کر لیا ہے، وہ بھی کر لیا ہے، یوں بھی کر لیا ہے، وُوں بھی کر لیا ہے اب اِس کے اندر تبدیلی کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اور مَیں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اِن دعووں کو کُلّی طور پر تو نہیں لیکن جزوی طور پر غلط ہوتے بھی دیکھا ہے۔ کیونکہ درمیان میں بیسیوں چیزیں ایسی آ جاتی ہیں جن کو انسان اپنے عزم اور ارادہ سے دھوکا کھاتے ہوئے بالکل

نظر انداز کر دیتا ہے۔ بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مَیں نے کسی کو کہا کہ فلاں کام کر دو اور کچھ دیر کے بعد اس نے اطلاع بھجوادی کہ کام ہو گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ نہیں ہوا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کام کیوں نہیں ہوا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ مَیں نے تو فلاں کو کہہ دیا تھا۔ حالانکہ کہہ دینے کا نام تو "ہو گیا" نہیں ہوتا۔ کہہ دیا تو محض ایک ارادہ ہے اور ارادہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ پورا بھی ہو جائے۔ تو لوگ محض ارادہ کا نام وقوع سمجھ لیتے ہیں اور بعض دفعہ اس ارادہ کو پورا کرنے کے لئے ایک فعل کرتے اور سمجھ لیتے ہیں کہ انجام کے راستہ میں کوئی روک باقی نہیں رہی اس شخص کی طرح جو کسی کو ایک کام کہہ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ کام ہو گیا ہے اور جب بعد میں کام نہ ہونے پر پوچھا جائے تو کہہ دیتا ہے کہ مَیں نے تو اُسے کام کرنے کے لئے کہہ دیا تھا لیکن اُس سے سُستی ہوئی۔ ایسی حالت میں جب سُستی کا امکان ہمیشہ موجود ہوتا ہے تو کسی مومن کو حق کیا ہے کہ وہ خدائی اپنے ہاتھ میں لے لے اور کہہ دے کہ فلاں بات بالکل یقینی ہے۔ شاید میری زندگی کا ایک بہت بڑا عُقدہ جماعت کے لوگوں کو یہی سمجھانا رہا ہے کہ اس قسم کا اعتماد انسانی افعال پر نہیں کرنا چاہئے اور یہ کہ خدا تعالیٰ کے خانہ کو ہمیشہ خالی رکھنا چاہئے۔ اور اس کی تقدیر پر ایمان رکھنا چاہئے لیکن ابھی بہت کم لوگ ایسے ہیں جن میں یہ مادہ نظر آتا ہے کہ اپنی ساری تدبیروں کے باوجود وہ یہ سمجھیں کہ ہماری تدبیریں خدا تعالیٰ کی تقدیر سے ٹکرا کر بعض دفعہ پاش پاش ہو جایا کرتی ہیں۔

ہماری قومی زندگی کا موجودہ دَور بھی ایک بہت بڑی اہمیت رکھنے والا ہے کیونکہ تحریک جدید کے ذریعہ ہم نے دنیا بھر کی تبلیغ کے لئے ایک نقشہ بنایا ہے۔ بیسیوں نوجوان اِسی غرض کے لئے تیار کئے ہیں کہ وہ بیرونی ممالک میں جائیں اور ایسے رنگ میں تبلیغ کریں کہ اشاعتِ اسلام بھی ہو، اُن کے گزارے کی صورت بھی نکل آئے اور علمی طور پر بھی ان ممالک پر احمدیت کا رُعب چھا جائے۔ لیکن ہمارا یہ دَور اب تک صرف تمہیدی دَور گزرا ہے۔ جماعت نے چندے دیئے، نوجوانوں نے زندگیاں وقف کیں، پڑھنے والوں نے پڑھا، لٹریچر لکھنے والوں نے کچھ لٹریچر تیار کیا اور بعض نوجوانوں کو غیر ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لئے روانہ کیا گیا۔ لیکن اِس کے بعد ابھی یہ مرحلہ باقی ہے کہ باہر جانے والے ایسے طور پر کام کرنے میں

کامیاب ثابت ہوں کہ ان کے ذریعہ غیر ممالک میں ایسی آواز پیدا ہو جائے کہ لوگوں کے قلوب ہِل جائیں اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ وہ اپنے گزاروں کے لئے ایسے راستے نکال سکیں کہ جن سے تبلیغ کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکے۔ مَیں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ دنیا کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی معنے ہی نہیں رکھتا۔ دنیا میں دو اَرب کے قریب آدمی ہے۔ اگر ایک ہزار آدمیوں کے لئے ایک مبلغ رکھا جائے تو یہ سمجھ لو کہ دولاکھ مبلغین کی ہمیں ضرورت ہے لیکن ہم نے اِس وقت تک جو مبلغین بھیجے ہیں اگر اُن میں پُرانوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو چالیس کے قریب تعداد بنتی ہے۔ جہاں دولاکھ کی ضرورت ہو وہاں چالیس مبلغ بھلا کیا کام دے سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کے زمیندار کی اوسط خوراک پانچ چھٹانک سمجھی جاتی ہے۔ پانچ چھٹانک کے معنی ہوئے پچیس تولے۔ اور رتّیوں کے لحاظ سے قریباً چوبیس سَو رَتی بنی۔ اور چاولوں کے لحاظ سے یہ قریباً اُنیس ہزار چاول بنے۔ شہری لوگوں کی خوراک تو کم ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض لوگ ایک یا ڈیڑھ چھٹانک پر ہی گزارہ کر لیتے ہیں لیکن ایک محنت کش مزدور کی عام خوراک اُنیس ہزار چاول ہوتی ہے۔ اب تینتیس مبلغین کو دولاکھ کے مقابل میں رکھ کر دیکھ لو کہ کیا نسبت بنتی ہے۔ اگر ہزار مبلغ ہوں تو دو سواں حصہ ہو گا۔ اگر سَو مبلغ ہوں تو ہزارواں حصہ ہو گا۔ اور اگر تینتیس مبلغ ہوں تو وہ دولاکھ کا چھ ہزارواں حصہ بنیں گے۔ دوسرے لفظوں میں ایک عام آدمی کی خوراک کے مقابل پر ہم دنیا کو روحانی خوراک کے تین چاول پیش کرتے ہیں۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک محنت کش اور مزدور پیشہ زمیندار کو تم تین چاول صبح اور تین چاول شام دے کر زندہ رکھ سکتے ہو۔ اگر ایک محنت کش مزدور کو تم تین چاول صبح اور تین چاول شام دے کر زندہ نہیں رکھ سکتے تو تم دنیا کو بھی تینتیس مبلغین کے ساتھ کسی صورت میں زندہ نہیں رکھ سکتے۔ مگر یہاں تو سوال زندہ رکھنے کا نہیں بلکہ سوال زندہ کرنے کا ہے۔ زندہ رکھنے کے لئے تو بے شک پانچ چھٹانک غذا کافی ہو جائے گی لیکن مُردہ نہ سہی نیم مُردہ کو بھی زندہ کرنے کے لئے یہ غذا کافی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے کئی سیر غذا کے خلاصہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں جو سٹیمولینٹ (Stimulant)[2] استعمال کئے جاتے ہیں وہ سیروں خوراک کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ پس زندہ کرنے اور زندہ رکھنے میں

فرق ہے۔ ہماری جماعت کے مبلغ اس لئے نہیں گئے کہ وہ لوگوں کو زندہ رکھیں بلکہ اس لئے گئے ہیں کہ وہ لوگوں کو زندہ کریں۔ اس لئے ان کی مثال دنیا کے مقابلہ میں ایسی بھی نہیں جیسی تین چاولوں کی ہوتی ہے بلکہ ان کی مثال تو ایک چاول کے ہزارویں حصہ کی بھی نہیں رہ جاتی۔ جس طرح ایک شخص کا روٹی کی بجائے صرف سانس لے لینا اسے زندہ نہیں رکھ سکتا اسی طرح یہ مبلغ دنیا کی ضروریات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ یہ ایک بیج ہے جو زمین میں بویا گیا مگر وہ بیج نہیں جو کسی ملک کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے بویا جاتا ہے۔ گورنمنٹ بیج بوتی ہے تو وہ یہ امر مدنظر رکھتی ہے کہ اِتنا بیج ہو جو آٹھ دس یا پندرہ بیس سال میں سارے ملک کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ لیکن ہمارا یہ بیج اِس قسم کا بھی نہیں بلکہ ہمارا بیج اِس قسم کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیدائش کے وقت دنیا میں بویا اور وہ لاکھوں لاکھ سال میں ترقی کو پہنچا۔ اگر اس تدریجی ترقی کے ساتھ یہ بیج بڑھا تو اس کے لئے لاکھوں یا ہزاروں سال کی ضرورت ہو گی۔ لیکن دنیا میں کوئی مذہب بھی آج تک ہزارہا سال تک زندہ نہیں رہا۔ موجود تو رہا ہے مگر زندہ نہیں رہا۔ ہندو مذہب ہندوؤں کے مقولہ کے مطابق لاکھوں سال سے ہے اور یورپین لوگوں کی تحقیقات کے مطابق یہ مذہب اڑھائی تین ہزار سال سے ہے۔ مگر مذہب کا موجود ہونا اَور چیز ہے اور مذہب کا زندہ ہونا اَور چیز ہے۔ وہ حقیقتیں جو رِشی لائے تھے، وہ حقیقتیں جو کرشنؑ اور رامچندرؑ لائے تھے وہ اب کہاں ہیں؟ وہ زندگی کا ثبوت جو حضرت کرشنؑ اور حضرت رامچندرؑ پیش کیا کرتے تھے وہ اب کہاں ہے؟ وہ ان کا خدا تعالیٰ سے مکالمہ مخاطبہ اب کہاں ہے؟ اور کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ یہ نہ سہی وہ کون سے ہندو ہیں جو ویدوں پر عمل کرتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ آج ساری ہندو دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ وہ ویدوں کی تعلیم کے مطابق باطنی طور پر تو الگ رہا ظاہری طور پر ہی عمل کر رہا ہے۔ عیسائی مذہب اُنیس سو سال سے موجود ہے لیکن موجود ہونا اَور چیز ہے اور زندہ ہونا اَور چیز ہے۔ حضرت مسیحؑ تو دنیا کو للکار کر چیلنج دیتے ہیں کہ اگر تم میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو گا تو تم ہواؤں کو کہو گے تھم جاؤ تو وہ تھم جائیں گی، تم دریاؤں کو کہو گے کہ ٹھہر جاؤ تو وہ ٹھہر جائیں گے، تم پہاڑوں کو کہو گے کہ چلو تو وہ چلنے لگ جائیں گے۔ **3** ہم مانتے ہیں کہ یہ استعارے کا کلام ہے۔ پہاڑ سے مراد ہمالیہ

نہیں، دریاؤں سے مراد گنگا جمنا یا انڈس نہیں اور ہواؤں سے مراد وہ ہوائیں نہیں جو درختوں کو ہلاتی ہیں بلکہ یہ سب استعارے کا کلام ہے۔ مگر استعارہ کے رو سے جو معنے ہواؤں کے ہیں، جو معنے دریاؤں کے ہیں، جو معنے پہاڑوں کے ہیں وہ معنے بھی تو آج پورے نہیں ہو رہے۔ وہ کونسا تغیر ہے جو عیسائیت کے ذریعہ دنیا میں ہو رہا ہے؟ عیسائیت نے تو یہ کہہ کر کہ شریعت ایک لعنت ہے ساری شریعتوں کو بیکار قرار دے دیا ہے۔ صرف دس احکام بتلائے ہیں مگر کیا اُن دس احکام پر بھی عیسائی عمل کر رہے ہیں؟ ہم مان لیتے ہیں کہ ایک حصہ کمزور ہوتا ہے جو شرعی احکام پر عمل نہیں کرتا لیکن آخر کچھ حصہ تو اس پر عمل کرتا ہے مگر عیسائیوں میں تو وہ حصہ بھی نہیں ملتا۔ اول تو وہ ہیں ہی دس احکام اور پھر ان پر بھی وہ عمل نہیں کر سکتے۔ اس کے مقابل پر ایک کمزور سے کمزور مسلمان بھی دن بھر میں پچاس احکام پر عمل کر لیتا ہے حالانکہ بڑے سے بڑا عیسائی حضرت مسیحؑ کے دس احکام پر بھی عمل نہیں کرتا۔ پس عیسائیت ہے تو سہی لیکن عیسائیت زندہ نہیں۔ اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ، حضرت زرتشتؑ اور دوسرے انبیاء کی تعلیم پر عمل بالکل مفقود ہے۔ پس ہزارہا سال تک کوئی قوم اور کوئی مذہب زندہ نہیں رہ سکتا، چِھلکا رہ جاتا ہے، فُضلہ رہ جاتا ہے مگر حقیقت باقی نہیں رہتی۔

مَیں جب بھی دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے کوئی مذہب بھی تین چار سَو سال سے زیادہ زندگی والا نظر نہیں آتا۔ رسول کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ فَیْجُ الْاَعْوَجِ 4 کہ اسلام کی سب سے اچھی صدی پہلی ہوگی۔ اس کے بعد دوسری ہوگی اور پھر تیسری صدی ہوگی اس کے بعد بد اخلاق جماعت ہوگی۔ رسول کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے بڑھ کر شان والا اَور کون آدمی ہوگا مگر آپ کی تعلیم بھی تین چار سَو سال تک ہی چلی۔ آگے نہیں۔ پس جو قوم کامیاب بننا چاہتی ہے اُس کو اِس خیال میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اس کے لئے ہزارہا سال کام کرنے کے لئے پڑے ہیں۔ کیونکہ آج تک ہزار سال تک ایک قوم بھی زندہ نہیں رہ سکی اور ہمارے اندر کوئی ایسی خصوصیت نظر نہیں آتی کہ ہم ہزارہا سال تک مذہب کو زندہ رکھنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ ابھی تو مزید تربیت کی ضرورت ہے تاکہ جماعت صحابہؓ کے مقام تک پہنچے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسے آدمی ہم کو

ملے ہیں جو صحابہؓ کے مقام تک پہنچے لیکن ہماری جماعت ابھی جماعتی لحاظ سے صحابہؓ کے مقام تک نہیں پہنچی اور ابھی جماعت کو اُس مقام تک پہنچنے کے لئے بہت بڑی جدوجہد اور قربانی کی ضرورت ہے۔ مگر صحابہؓ کی قربانیاں بھی اسلام کو تین سو سال تک ہی زندہ رکھ سکیں۔ پھر فَیْجِ اَعْوَج آ گیا۔ اگر ہم صحابہؓ کے مقام پر بھی پہنچ جائیں تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم تین سو سال تک زندہ رہ سکیں گے۔ حضرت مسیح ناصری کی تعلیم میں تو ڈیڑھ سَو سال بعد ہی شرک پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پس ہمارے لئے ایک تھوڑا سا وقت مقدر ہے اس تھوڑے سے وقت میں کیا تینتیس مبلغ دو لاکھ مبلغوں کا کام کر سکتے ہیں؟ یقیناً جب تک غیر معمولی کوشش ہماری طرف سے نہ ہو، جب تک غیر معمولی فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہو اُس وقت تک یہ کام کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا تعالیٰ کا فضل جب نازل ہو تو دنیا میں آپ ہی آپ ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان رات کو مومن سوئے گا۔ اور صبح کو اُٹھے گا تو کافر ہو گا اور رات کو کافر سوئے گا اور صبح اُٹھے گا تو مومن ہو گا۔[5] اس کے یہی معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر ان دنوں بڑے زور سے جاری ہو گی۔ ایک شخص کا رات کو مومن سونا اور صبح کو کافر اُٹھنا یہ تو ہمارے کام میں داخل نہیں اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کام کے لئے دنیا میں آئے۔ یہ تو دشمنوں کا حصہ ہے۔ ہمارا حصہ یہ ہے کہ ایک شخص رات کو کافر سوئے اور صبح اُٹھے تو مومن ہو۔ یہ تقدیر ہمارے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اس کو کھینچنا ہمارا اصل کام ہے۔ اس غرض کے لئے جو آدمی ہم نے تیار کر کے باہر بھیجے ہیں جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں بلکہ آٹے میں جتنا نمک ہوتا ہے اس سے یقیناً بہت کم ہیں اور در حقیقت اسے تبلیغی جدوجہد کہنا بھی غلط ہے۔ پھر نہ معلوم جب انہوں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو کس طرح کام کریں گے۔ ان کے دماغ کتنے روشن ہوں گے، ان کے اندر عرفان کس حد تک پیدا ہو گا، ان کا ایمان انہیں کتنی قربانی پر آمادہ کرے گا اور پھر ان کی آواز میں کتنا اثر ہو گا کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ ان کے قلوب ان کی طرف کھنچ جائیں اور وہ ایمان کی طرف قدم اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ سارا کام ایسا ہے جو ہمارے قبضہ میں نہیں بلکہ اس میں سے کچھ حصہ تو ہمارے مبلغین کے ساتھ

تعلق رکھتا ہے اور کچھ حصہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہماری مثال تو ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کاغذ کی ناؤ بنائی اور دریا میں چھوڑ دی۔ اب یہ کاغذ کس حد تک پانی کے حملہ سے بچا رہتا ہے اور کس طرح خدا تعالیٰ ہلکی ہلکی ہواؤں کو چلاتا اور کاغذ کی ناؤ کو پار اتار دیتا ہے۔ یہ سارا کام اسی کا ہے ہمارے بس کی بات نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ کاغذ کی ناؤ آج نہ ڈوبی کل ڈوبے گی۔ ہماری ناؤ بھی کاغذ کی ہے اور ہم اس کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناؤ آج نہ ڈوبی کل ڈوبے گی۔ آگے یہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اسے دوسرے کنارے پر سلامتی کے ساتھ پہنچا دے۔ اور یہ محض اس کے فضل سے ہی ہو سکتا ہے ہماری کوششوں سے نہیں۔ پس ہمیں خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں اور التجائیں کرنی چاہئیں کہ وہ اس ناؤ کو سلامتی کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچا دے۔ جہاں تک انسانی تدابیر اور کوششوں کا سوال ہے کاغذ کی ناؤ کا دوسرے کنارے پر جانا تو الگ رہا وہ اپنے کنارہ سے چلے بغیر ہی ڈوب جایا کرتی ہے۔

ایک بہت بڑا کام ہمارے سپرد ہے اور ہمیں کبھی بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا بھر کے دلوں کو بدل ڈالنا معمولی بات نہیں۔ درحقیقت زمین و آسمان کو پیدا کرنا آسان ہے مگر دنیا کے قلوب کو بدل ڈالنا آسان بات نہیں۔ مَیں نے یہ بات یونہی نہیں کہی۔ مجھ سے پہلے بزرگوں نے بھی یہ بات کہی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ فرمایا۔ اگر تمہیں کوئی شخص کہے کہ اُحد پہاڑ اپنی جگہ سے ہِل گیا ہے تو مان لینا لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص کی طبیعت بدل گئی ہے تو نہ ماننا۔ گویا حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کی طبیعت کے بدل جانے کو ایک پہاڑ کے ہِل جانے سے زیادہ مشکل قرار دیا ہے اور مَیں نے تو ساری دنیا کے قلوب کو بدلنے کی اہمیت بتائی ہے۔ پس جو نسبت مَیں نے آسمان اور زمین کی ساری دنیا کے قلوب سے لگائی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ واقع یہی ہے کہ قلوب کو بدلنا کوئی معمولی بات نہیں۔ ہمارا چند پیسے چندوں میں دے دینا یا ہمارے چند نوجوانوں کا زندگی وقف کر دینا محض ایسا ہی ہے جیسے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جانا۔ قلوب جب بھی بدلتے ہیں آسمانی تقدیر کے ساتھ بدلتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض معقول باتیں ہوتی ہیں لیکن ضدی طبائع کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں اور بعض غیر معقول باتیں ہوتی ہیں لیکن وہ اس طرح اثر کرتی چلی جاتی ہیں جس طرح

موافق ہوا کے باعث بادبانی کشتی اُڑتی چلی جاتی ہے۔

پس دوستوں کو چاہئے کہ وہ آجکل خدا تعالیٰ کے حضور خاص طور پر دعائیں کریں۔ مگر دعائیں اس رنگ میں نہیں ہونی چاہئیں جس رنگ میں عام طور پر لوگ کرتے ہیں بلکہ حقیقی رنگ میں دعا کرنی چاہئے اور حقیقی دعا وہ ہوتی ہے کہ جب قلوب پر اثر ہوتا ہے تو آپ ہی آپ دل اور زبان سے دعا نکلتی چلی جاتی ہے۔ انسان کام بھی کرتا جاتا ہے اور دعا بھی نکلتی جاتی ہے۔ تم سجدہ چوبیس گھنٹے نہیں کر سکتے، تم رکوع چوبیس گھنٹے نہیں کر سکتے، تم قیام چوبیس گھنٹے نہیں کر سکتے، تم قعدہ چوبیس گھنٹے نہیں کر سکتے لیکن چوبیس گھنٹے تمہارے دل میں ایک جوش رہ سکتا ہے اور اس کی وجہ سے دعا تمہارے دل پر جاری رہ سکتی ہے۔ شاید تم میں سے کوئی کہے کہ انسان تو رات کو سو جاتا ہے پھر چوبیس گھنٹے کس طرح کوئی دعا جاری رہ سکتی ہے؟ لیکن یہ اعتراض علم کی قلت کا نتیجہ ہے۔ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ علم تصوف کی رُو سے بھی اور علمُ النفس کی رُو سے بھی کہ انسان جن خیالات میں سوتا ہے وہ خیالات ساری رات نیند میں بھی جاری رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ رات کو سوتے وقت آیت الکرسی اور آخری تین سورتیں پڑھ کر ہاتھ پر پھُونک مارو اور پھر ہاتھ اپنے جسم پر پھیر لو اور پھر خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے ہوئے سوؤ کہ اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْكَ وَ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَ الْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّ رَھْبَةً اِلَیْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمَنْتُ بِکِتَابِ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَ نَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔6 اور اس کے بعد کوئی بات نہ کرو۔ آخر کیوں رات کو سوتے وقت یہ الفاظ پڑھنے کے لئے کہا گیا اور کیوں یہ کہا گیا کہ اِس کے بعد کوئی بات نہ کی جائے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ جن خیالات میں انسان رات کو سوتا ہے وہی خیالات ساری رات اس کے دماغ میں چکر لگاتے رہتے ہیں حالانکہ وہ سو رہا ہوتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ رات کو دماغ خالی ہوتا ہے۔ دماغ رات کو بھی سوچتا رہتا ہے۔ صرف اِتنا فرق ہے کہ دماغ کا بیرونی حصہ جس کی وجہ سے انسان بیرونی دنیا کی باتیں سنتا ہے وہ سویا ہوا ہوتا ہے لیکن اندرونی حصہ برابر کام کر رہا ہوتا ہے۔ تم کہو گے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان کو علم بھی نہ ہو اور دماغ بھی اپنا کام کر رہا ہو؟

مَیں یہ بات سمجھانے کے لئے ایک موٹی مثال دیتا ہوں۔ تم ایک چیز کھاتے ہو، اُس کے بعد تمہیں پتہ نہیں ہوتا کہ تمہارے معدے میں کیا ہو رہا ہے، تمہیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ تمہارے جگر میں کیا ہو رہا ہے، تمہیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ تمہارے دل میں کیا ہو رہا ہے اور دس پندرہ دن کے بعد وہ کھانا ایک بیماری کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اُس کی وجہ یہی ہے کہ جسم کے ایک حصہ کو اس کا علم تھا اور دوسرے کو اُس کا پتہ نہیں تھا۔ ظاہر اِس بات سے ناواقف تھا کہ اندر زہر کی ایک فیکٹری بن گئی ہے لیکن باطن اس فیکٹری کو جانتا تھا۔ پس یہ عجیب بات نہیں۔ روزانہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہم ظاہری علم کے لحاظ سے نہیں جانتے لیکن ہمارا اندر اُنہیں جانتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کو ہم ظاہر میں بھی جانتے ہیں۔ اسی طرح رات کے وقت انسان جن خیالات میں سوتا ہے وہی ساری رات اس کے قلب میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ پس جب طبیعت میں جوش پیدا ہو جائے اور انسان خواہ کسی حالت میں ہو دعا کرتا رہے تو وہ دعا ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ مَیں نے خود کئی دفعہ دیکھا ہے مَیں کام بھی کرتا رہتا ہوں اور دعا بھی دل سے نکلتی چلی جاتی ہے۔ اُس وقت مجھے یقین ہوتا ہے کہ یہ دعا ضرور قبول ہو گی۔ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح دعا کریں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ قلب کی یہ کیفیت انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ یہ نتیجہ ہوتی ہے دوسری دعاؤں کا۔

بہرحال افراد کی ضروریات بھی خدا تعالیٰ پوری کرتا ہے اور قوم کی ضروریات بھی خدا تعالیٰ پوری کرتا ہے لیکن اسلام کی ضروریات کو پورا کرنا تو وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کیونکہ اسلام کو اس نے بھیجا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اس نے بھیجا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس نے بھیجا۔ پس جس ہستی نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بھیجا اور قرآن شریف کو نازل کیا، جس ہستی نے دونوں کے نام کو دوبارہ روشن کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اُس ہستی کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہم سے زیادہ دنیا کی اصلاح کی فکر مند نہیں۔ یقیناً وہ ہم سے زیادہ فکر مند ہے۔ سوال صرف اِس قدر ہے کہ ہم اس کے آلہ کار بن جائیں تاکہ ہمارے ذریعہ وہ مقصد پورا ہو جائے۔ اس کے لئے ہمیں اُس کے حضور جُھک کر

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ 7 کے ماتحت اپنی زندگیاں وقف کر دینی چاہئیں اور اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ 8 کے ماتحت اپنی دعاؤں کو وقف کر دینا چاہئے۔ اگر ہم ایسا کر دیں تو یقیناً اِس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ ایسا صراطِ مستقیم پیدا فرمادے گا جس سے احمدیت دنیا میں غالب آجائے گی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں پھر روشن ہو جائے گا۔ قرآن کریم پھر بولنے والی کتاب بن جائے گی جو لوگوں سے باتیں کرے گی، اُن کی اصلاح کرے گی اور ان کے اندرونی نقائص کو دور کر دے گی۔ مگر ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر تبدیلی پیدا کر کے اپنے آپ کو اُس کے فضلوں کے مستحق بنائیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کریں کہ وہ ہمیں اِس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنا آلۂ کار بنالے، وہ ہماری زبانوں میں اثر پیدا کرے، وہ ہماری آنکھوں میں اثر پیدا کرے، وہ ہمارے ہاتھوں میں اثر پیدا کرے تا کہ اگر ہم کچھ لکھیں تو وہ لوگوں کے دلوں میں اُتر جائے۔ کسی طرف آنکھ اٹھائیں تو اس کے دل میں نرمی پیدا ہو جائے، کوئی بات کریں تو لوگ اس کے ماننے پر آمادہ ہو جائیں۔ اور پھر وہ ہمارے قلوب کی ایسی حالت کر دے کہ جب ہم خواہش کریں کہ فلاں علاقہ اسلام میں داخل ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے فرشتے فوراً آمین کہیں اور خدا تعالیٰ عرش سے حکم نازل کرے کہ ایسا ہو جائے۔ ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہدایت پا جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس خواہش کو "ہدایت پا جائیں" کی بجائے "ہدایت پا گئے" کی صورت میں بدل سکتا ہے۔ اگر ہماری یہ خواہش اخلاص پر مبنی ہے اور ہمارا اسلام کی ترقی کے لئے مبلغین کو باہر بھیجنا تقویٰ پر مبنی ہے تو اِس صورت میں خدا تعالیٰ جس بات کا پہلے سے ارادہ کر چکا ہے اُس کا ظہور میں آجانا کوئی مشکل امر نہیں۔ پس دوستوں کو ان دنوں میں خصوصیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنی چاہئیں اور اپنی ذات کی بھی اصلاح کرنی چاہئے۔ ہم نے اپنے نوجوانوں کو اگر وہ ہم میں سے کسی کے بیٹے نہیں تو بہرحال وہ کسی ماں اور کسی باپ کے بیٹے ہیں دنیا میں بھیجا ہے۔ تن تنہا بغیر سامانوں کے، بغیر ہتھیاروں کے، بغیر تجربہ کے اور بغیر اُن علوم کے جن کو پیش کئے بغیر یورپین لوگ بات ہی نہیں مانتے۔ مَیں نے جیسا کہ پہلے بھی مثال دی ہے ہم نے اُن کو ایسی صورت میں بھیجا ہے جیسے کاغذ کی ناؤ کو دریا میں بہا دیا جاتا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور گر جائیں اور اُس کی مدد مانگیں۔

مَیں نے ایک گزشتہ خطبہ جمعہ میں خنساءؓ کا ایک قصہ سنایا تھا۔ اُس وقت جو حصہ سنایا تھا وہ اُس مضمون کے ساتھ تعلق رکھتا تھا کہ جب ایک جنگ میں مسلمانوں کے لئے خطرناک صورت پیدا ہو گئی تو خنساءؓ نے اپنے تینوں بیٹوں کو بلایا اور کہا مَیں نے تمہیں بیوگی کی حالت بڑی بڑی مصیبتوں میں رہ کر پالا اور تمہاری پرورش کی ہے۔ مَیں اپنا دودھ قیامت کے دن تمہیں معاف نہیں کروں گی جب تک تم فتح پا کر نہ لَوٹو گے یا مارے نہ جاؤ گے۔ لیکن دوسرا حصہ وہ ہے جو آج کے مضمون سے تعلق رکھتا ہے۔ خنساءؓ نے اپنے بیٹوں کو بھیج تو دیا لیکن اُنہیں بھیج کر وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو گئی اس نے اپنے بیٹوں کو موت کے لئے بھیجا اور اسلام کی طرف سے جو اُس پر ذمہ داری تھی اُسے ادا کر دیا۔ اِس کے بعد اُس پر جو دوسری ذمہ داری تھی یعنی مامتا کی اُس نے اُسے ادا کیا۔ وہ اُن کو موت کے منہ میں بھیج کر خود خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئی اور کہا اے میرے رب! مَیں نے اپنی جوانی دکھ میں گزاری ہے کیونکہ میرا خاوند بدمعاش آدمی تھا۔ پھر مَیں نے اپنا بڑھاپا دکھ میں گزارا کیونکہ تین بچوں کی پرورش کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اب اے میرے رب! جب مجھے آرام ملنے کا موقع تھا مَیں نے اپنے تینوں بچوں کو جو میری ساری عمر کی کمائی ہیں تیرے دین کی خدمت کے لئے یہ کہہ کر بھیج دیا ہے کہ جاؤ یا تو فتح پا کر واپس آنا یا وہیں مر جانا۔ لیکن اے میرے رب! اب میری مامتا تیرے عرش کے آگے اپیل کرتی ہے کہ اُن کو زندہ ہی واپس لانا۔ چنانچہ وہ زندہ ہی واپس آئے اور فتح پا کر آئے۔

اب بھی جب کہ بعض ماؤں نے اپنے بچوں کو گھر سے نکال کر باہر پھینک دیا ہے، جب نوجوانوں نے اپنی زندگیاں دینِ اسلام کے لئے وقف کر دی ہیں اور باپوں نے اپنی نسلیں خدا تعالیٰ کے لئے دے دی ہیں اور جتنی اسلام کے لئے قربانی کی ذمہ داری تھی وہ بعضوں نے پوری کر دی اور بعض پوری کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے جھک کر کہیں کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی عمر کی کمائی تیرے دین کے لئے دے دی ہے۔ اب تُو خود ہی اُن کی حفاظت کر اور اُن کو بامراد واپس لا کہ ہمارے دل بھی خوش ہوں اور تیرے دین کی بھی ترقی ہو۔ یہی وہ ذمہ داری ہے جو ہم پر عائد ہے۔ اُسی طرح جس طرح خنساءؓ پر تھی۔ بلکہ دین کا رشتہ دنیا کے رشتہ سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اگر خنساءؓ اپنے

جسمانی بچوں کی بقا اور ان کی حفاظت کے لئے اس قدر بیتاب ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور جھک گئی تھی تو پھر ہمارا تو یہ فرضِ اولین ہے کہ ہمارے دلوں میں ایک جوش پیدا ہو اور ہم ان نوجوانوں کے لئے جو دین کے لئے باہر چلے گئے ہیں یا باہر جانے والے ہیں خدا تعالیٰ کے حضور التجا کریں کہ اے ہمارے رب! تُو اُن کو صحیح راستہ دِکھلا، اُن کے کاموں میں برکت دے، اُن کو کامیابی عطا فرما اور اُن کو فاتح بنا کر واپس لا۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد نہ آئی تو ہمارے کام کی مثال ایسی ہی ہو گی جیسے کوئی شخص سارا دن مزدوری کرے اور شام کو اپنی مزدوری دریا میں ڈال دے۔ اگر ہم اخلاص کے ساتھ یہ کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ایسی کیفیت پیدا کر دے گا کہ ہمارے دل بولنے لگ جائیں گے اور رات اور دن وہی خیالات ہمارے دلوں میں جاری رہیں گے۔ ہم دنیا کے کام کر رہے ہوں گے اور دعائیں ہمارے دلوں سے نکلتی چلی جائیں گی۔ ایک بڑھئی اپنی لکڑی چیر رہا ہو گا اور ساتھ ہی اس کے دل سے آواز نکل رہی ہو گی۔ کلہاڑی کھٹ کھٹ کر رہی ہو گی اور ساتھ ہی اس کے دل کی آہٹ خدا تعالیٰ کے سامنے پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہو گی کہ اے خدا! ہمارے مبلغین کو آرام سے رکھیو اور ان کی مدد اور نصرت فرمائیو۔ اور جب ایک طبقہ کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ ان کے دل بولنے لگ جائیں گے جیسے صوفیاء کہا کرتے تھے کہ فلاں کا دل بولنے لگ گیا ہے تو ہماری کامیابی یقینی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دل باتیں کرنے لگ جاتا اور کلمہ پڑھنے لگ جاتا ہے حالانکہ دل بولنے کے یہ معنے نہیں ہوتے بلکہ دل بولنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ دل میں سے دعائیں خودبخود پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور ارادے کا سوال ہی نہیں رہتا۔ رات اور دن دل میں ایک فکر پیدا ہو جاتا ہے اور رات اور دن دل دعا میں لگا رہتا ہے۔ جب یہ صورت پیدا ہو جائے تو خدا تعالیٰ بندے کے قریب ہو جاتا ہے اور اسی کا نام صوفیاء نے دل کا بولنا رکھا ہے۔ نادانوں نے دل بولنے کے معنے یہ سمجھ لئے ہیں کہ زبان سے جس طرح آدمی کلام کرتا ہے اِسی طرح دل بھی بولنے لگ جاتا ہے مگر یہ معنے نہیں۔ جب یہ صورت پیدا ہو جائے گی اُس وقت ہمارے لئے کامیابی بالکل یقینی ہو جائے گی۔ مگر ایسی صورت پیدا کرنے کے لئے پہلے زبان سے دعائیں کرنی چاہئیں جو کامیابی کا پہلا قدم ہے۔ غرض دوستوں کو اِس طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ

ہمارے اس مشکل کام کو ہمارے لئے آسان کر دے اور ہم سُرخرو ہو کر اس کی خدمت میں حاضر ہوں۔" (الفضل 20فروری1946ء)

1: موسوعہ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم جلد2 صفحہ 1735 مطبوعہ بیروت 1996ء میں یہ الفاظ ہیں "عَرَفْتُ اللّٰہَ بِفَسْخِ الْعَزَائِم"

2: سٹیمولینٹ: خون کی روانی کو بڑھانے والی چیز۔ محرک

3: متی باب 17 آیت 20۔(مفہوماً)

4: بخاری کِتَاب فَضَائِلِ اَصْحَابِ النَّبِیّ ﷺ بَابُ فَضَائِلِ اَصْحَابِ النَّبِیّ ﷺ (الخ) میں یہ الفاظ ہیں۔" خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔"

5: مسلم کِتَابُ الْاِیْمَانِ بَاب اَلْحَثُّ عَلَی الْمُبَادَرَةِ بِالْاَعْمَالِ (الخ)

6: بخاری کِتَاب الدَّعْوَاتِ بَاب اَلنَّوْم عَلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ

7،8: الفاتحة: 5